سورۃ الممتحنۃ

یہ مدنی سورۃ ہے اس میں ۱۳ آیتیں ہیں

مفسروں نے کہا ابن عباسؓ کے قول کے مطابق مدینہ میں نازل ہوئی اور یہی عبداللہ ابن زبیر سے مروی ہے اور ممتحنۃ کے بارے میں بھی اختلاف کیا گیا ہے۔ ان میں سے بعض نے کہا کہ ''حاء'' مفتوح ہے پس یہ صفت ہے اسکا موصوف محذوف ہے یعنی المرأۃ الممتحنۃ اور اس سے مراد ہے ام کلثوم بنت عقبۃ بن ابی معیط اور کہا جاتا ہے کہ ان کا نام سارہ تھا وہ ابی عمرو بن ضیفی بن ہاشم کی باندی تھیں اور کہا جاتا ہے کہ بنی عبدالمطلب کی باندی تھیں اور کہا جاتا ہے کہ وہ مزینۃ میں سے تھیں اور کہا گیا ''حاء'' مکسور ہے۔ یعنی مختبرۃ (آزمانے والی) پس سورۃ کی اضافت بیانیہ ہو جائے گی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(۱) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا عَدُوِّىۡ وَعَدُوَّكُمۡ اَوۡلِيَآءَ (ترجمہ:۔ اے ایمان والو میرے دشمنوں اور تمہارے اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ) مروی ہے کہ یہ حاطب بن ابی بلتعہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ اور اس کا بیان یوں ہے کہ ایک عورت جسے سارہ یا ام کلثوم کہا جاتا تھا مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی وہ فتح مکہ کی تیاری کر رہے تھے آپ نے پوچھا کیا تم مسلمان ہو کر آئی ہو۔ اس نے کہا نہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا پھر تمہاری کیا حاجت ہے۔ اس نے کہا مجھے شدید حاجت ہے۔ آپ نے بنو عبدالمطلب کو اس کی مدد کے لئے اُکسایا۔ انہوں نے اسے کپڑے پہنائے اس کا خرچ برداشت کیا اور اسے زادِ راہ دیا۔ پس حاطب بن ابی بلتعہ نے دس دینار دئے اسے چادر پہنائی مکہ کی طرف ایک خط اسے دیا اور اس خط میں لکھا تھا کہ حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے اہل مکہ کی طرف۔ جان لو کہ رسول اللہ ﷺ تم پر حملہ کا ارادہ کر رہے ہیں۔ پس تم تیاری کر لو۔ پس یہ عورت مدینہ سے نکلی اور مکہ کی طرف روانہ ہوئی۔ اور حاطب ان اصحاب میں سے تھے جنہیں آپ ﷺ نے رازدار بنایا تھا۔ کوئی بھی ان کے سوا نہیں جانتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ مکہ کا ارادہ رکھتے ہیں اس لئے انہوں نے مشہور یہ کر دیا تھا کہ وہ خیبر پر حملہ کشی کرنے جا رہے ہیں۔ پس جبرئیلؑ نے یہ بات رسول ﷺ تک پہنچائی پس آپ ﷺ نے علیؓ۔ عمارؓ یا عمرؓ طلحہؓ 'زبیرؓ اور ابی مرثد کو اس کی طرف بھیجا یہ لوگ گھوڑے پر سوار تھے آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ یہاں تک تم خاخ کے باغیچہ پہنچو وہاں ایک عورت ہو گی اس کے پاس اہل مکہ کے نام حاطب کا خط ہو گا تو وہ اس سے لے لو اور اس کو چھوڑ دو اگر وہ انکار کرے تو گردن مار دینا۔ پس یہ لوگ اس تک پہنچ گئے' وہ مکر گئی۔ اور حلف اٹھانے لگی پس انہوں نے واپسی کا ارادہ کر لیا لیکن حضرت علیؓ نے کہا ہم جھوٹے ہو سکتے ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ جھوٹے نہیں ہو سکتے اور تلوار کھینچ لی اور اس سے کہا وہ خط نکالو یا اپنی گردن پس اس نے اپنے چوٹی میں سے نکالا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے سینے میں سے نکالا اور حبیب بن ثابت نے کہا کہ اس

نے اندام نہانی سے نکالا۔پس انہوں نے وہ خط لے لیا اور لوٹ آئے۔اور یہ عورت ان لوگوں میں سے تھی جنہیں رسول اللہ ﷺ نے یوم الفتح پناہ نہیں دی پس آپ ﷺ نے حاطب بن ابی بلتعہ کو بلایا اور کہا کسی چیز نے تمہیں اس کام کے لئے اکسایا تو انہوں نے جواب میں کہا یا رسول اللہ ﷺ میں نے اسلام کے بعد کفر نہیں کیا اور جب سے ان سے جدا ہوا ہوں ان کو ذرا بھی پسند نہیں کیا۔میں قریشی نہیں ہوں البتہ میں قریش میں ملا جلا ہوں۔اور تمام لوگ مہاجرین میں سے جو آپ کے ساتھ ہیں ان کے مکہ میں عزیز واقارب ہیں جو اپنے گھر والوں اور مال ومتاع کی حفاظت کریں گےسوائے میرے۔پس میں اپنے خاندان کے بارے میں ڈرا اور ارادہ کیا کہ ان کی مدد کروں جبکہ میں جانتا ہوں کہ ان پر عذاب نازل ہونے والا ہے۔اور میرا خط کچھ بھی کام نہیں آئے گا۔حضور نے اسے سچا مان لیا ار معذرت قبول کرلی۔حضرت عمرؓ نے کہا مجھے اجازت دیں تو میں اس کی گردن ماردوں یہ منافق ہے۔پس آپ ﷺ نے فرمایا اے عمرؓ کیا تمہیں نہیں معلوم ہے کہ اہل بدر اللہ تعالیٰ مطلع ہوا اور ان سے فرمایا جو چاہو سو کرو میں نے تمہیں معاف کردیا۔تو حضرت عمر فاروقؓ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور کہا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں ۔مجاہدؒ قتادہؒ اور ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ آیت حاطب بن ابی بلتعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اسکے معنی ہیں کہ اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمنوں یعنی مشرکین کو اپنا دوست مت بناؤ۔یعنی ان سے محبت داری مت کرو حالانکہ تمہارے پاس اللہ نے جو بھیجا اس کا انہوں نے انکار کردیا۔انہوں نے اللہ اس کے رسول اور مومنین سے جنگ کی ہے پس تم پر جائز نہیں کہ تم انہیں دوست اور خلیل سمجھو۔ بلکہ تمہیں چاہئے کہ تم قطع تعلق کرلو ان سے لڑو۔قرآن میں متعدد مقامات پر اللہ نے ان سے میل ملاپ اور دوستی یاری کو منع فرمایا ہے۔جیسے کہ فرمایا یا **ایها الذین امنوا لا تتخذوا الیهود والنصاریٰ اولیاء بعضهم اولیاء بعض ومن یتولهم منکم فانه منهم (المائدہ۵۱)** یہ شدید وعید ہے اور اللہ نے فرمایا **یا ایها الذین آمنوا لا تتخذوا الذین اتخذوا دینکم هزواً ولعبا من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم والکفار اولیاء واتقوا الله ان کنتم مومنین(المائدہ۵۷)** اور اللہ نے یہ بھی فرمایا **یا ایها الذین امنوا لاتتخذو الکافرین اولیاء من دون المومنین اتریدون ان تجعلوا لله علیکم سلطانا مبینا(النساء۱۴۴)** ایک جگہ اور فرمایا **لا یتخذ المومنون الکافرین اولیاء من دون المومنین ومن یفعل ذلک فلیس من الله فی شئی الا تتقوا منهم تقۃً ویحذرکم الله نفسه۔(آل عمران ۲۸)** مذکورہ آیات کافروں سے بھائی بندی کی ممانعت کی دلالت کرتی ہیں۔حاطبؓ ان سے محبت نہیں رکھتے تھے لیکن قریش کی اس لئے مدارت کررہے تھے کہ ان کے پاس ان کی اولاد و اموال موجود تھی۔لہذا رسول اللہ ﷺ نے ان کا عذر قبول کرلیا۔اور آپ ﷺ نے فرمایا حاطب نے سچ کہا پس حاطب کو بھلائی کے علاوہ کچھ نہ کہو۔ **تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ** (ترجمہ:۔تم تو ان کو دوستی کے پیغام بھیجتے ہو) یعنی ان پر نبی ﷺ کی باتیں ظاہر کرتے ہو کہ محبت کی وجہ سے جو تمہارے اور ان کی درمیان ماضی میں تھی ان کو خبریں افشاء کرتے ہیں۔اور یہی زجاج نے کہا ہے اور یہی زجاج نے کہا اور یہ جملہ حالت نصب میں حال ہے۔ **وَ قَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَ كُمْ مِّنَ**

الْحَقِّ (ترجمہ:۔حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے تمہارے پاس جو حق آیا اس کا انکار کردیا۔) محل نصب میں ہے۔حال ہونے کی وجہ سے **تلقون** کے فاعل کا **لا تتخذوا** کے فاعل کا حال ہے۔یہ فراء کا قول ہے اور جمہور نے "**بما جاء کم**" باء کے ساتھ پڑھا لیکن معلّٰی اور حجدری نے عاصم کی روایت سے لام کے ساتھ پڑھا ہے یعنی **لما جاء کم**. **يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ** (ترجمہ:۔انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور تمہیں نکال دیا تھا) تمہارے وطن سے۔یہ جملہ استیناف ہے۔یا کفروا کی ضمیر کا حال ہے۔ معنی یہ ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور ان کے صحابہ کو واضح طور پر ان سے اپنی عداوت کی وجہ سے اور اللہ کی توحید و اخلاص عبادت کے علم بردار ہونے کی وجہ سے ناپسند کرنے پر اپنے درمیان سے نکال دیا تھا۔**اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ** (ترجمہ:۔کیونکہ تم اللہ اپنے رب پر ایمان رکھتے تھے۔) یعنی رسول اللہ ﷺ اور تمہارے اخراج کا سبب تمہارا ایمان تھا۔**اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ** (ترجمہ:۔اگر تم (مکہ سے) میرے لئے اور میری خوشنودی (حاصل کرنے) کے لئے نکلے ہو) یہ شرط ہے جواب محذوف ہے جو کچھ پہلے بیان ہوا اس کی دلالت کی بناء پر یعنی اللہ کا قول "**لا تتخذوا عدوی**" **جهادا** اور **ابتغاء مرضاتی** منصوب ہیں مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے یا حال ہونے کے سبب سے **تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ** (ترجمہ:۔تم ان سے رازدارانہ اظہار کرتے ہو) یعنی رسول ﷺ کے راز ان پر ظاہر کرتے ہو۔ **بِالْمَوَدَّةِ** (ترجمہ:۔محبت کی وجہ سے) بسبب مودة۔یہ جملہ مستانفہ ہے **وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ** (ترجمہ:۔اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو) پس میرے نزدیک اعلان واخفاء برابر ہیں اور میں اپنے رسول کو جو کچھ تم رازدارانہ ظاہر کرتے ہو مطلع کردوں گا۔**وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ** (ترجمہ:۔اور جو کوئی تم میں سے ایسا کرے گا) یعنی جو کچھ رسول ﷺ نے رازداری کی تم میں سے کسی سے اس کی اطلاع۔ **فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ** (ترجمہ:۔وہ یقیناً سیدھے راستہ سے بھٹک گیا) پس وہ صحیح راستے سے خطاء کر گیا۔اور اس سے معلوم ہوا کہ کفار کے ساتھ محبت کرنا ایسا معاملہ ہے جسے اللہ نے منع فرمایا۔

(۲) **اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً** (ترجمہ:۔اگر وہ تم پر غالب آجائیں تو بھی تمہارے دشمن رہیں گے۔) **ثقف الشئی ثقفا و ثقافا** کے معنی ہیں **حذقه** وہ اس پر غالب آیا۔ابن سکیت نے کہا **رجل ثقف و ثقف** جب کوئی شخص کسی چیز پر نگران اور اس کا منتظم ہو اور ضابطے میں رکھنے والا ہو اور کہا جاتا ہے **ثقف الشئی** جب وہ اس کو سرعت سے پہچان لے کیونکہ **ثقوفة** کے معنی ہیں **سرعة التعلم** یعنی جلدی سے سمجھنا۔ابن درید نے کہا **ثقف الشئی** کے معنی ہیں **حذقته و ثقفته** جب آپ نے کسی پر کامیابی حاصل کر لی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔**واماتثقفنهم فی الحرب** (الانفال) یعنی **تظفرنهم** (تم ان پر اگر غالب ہو جاؤ) شاعر کا قول ہے۔

فاما تثقفونی فاقتلونی فان اثقف فسوف ترون بالی

یعنی اگر تم مجھ پر غالب آ گئے تو تم مجھے قتل کر دو گے۔ اور آیت کے معنی ہیں اگر وہ تم پر غالب آ جائیں اور تمہیں پائیں تو تمہارے دشمن ہو جائیں گے۔ تو وہ تمہارے ویسے دوست نہیں ہو سکتے جیسے کہ تم ان کے دوست تھے۔ **وَّيَبۡسُطُوۡٓا اِلَيۡكُمۡ اَيۡدِيَهُمۡ وَاَلۡسِنَتَهُمۡ بِالسُّوۡٓءِ** (ترجمہ:۔ اور وہ تمہارے خلاف دست درازی کریں گے اور اپنی زبانیں برائی کے ساتھ استعمال کریں گے) یعنی مار پیٹ، لڑائی، گالی گلوج اور ہجو کے ساتھ **وَوَدُّوۡا لَوۡ تَكۡفُرُوۡنَ** (ترجمہ:۔ انہیں پسند ہے کہ تم کافر بن جاؤ) کہا جاتا ہے کہ یہ جواب شرط پر معطوف ہے اور زمخشری کا خیال ہے اور ابو حیان نے کہا اور وہ جنہوں نے یہ اظہار کیا۔ وَدّوا جواب شرط پر معطوف نہیں ہے۔ کیونکہ ان کی محبت ان کا کفر ہے۔ وہ ان کے فتحیاب ہونے اور ان کے تسلط ہوئے پر مرتب نہیں ہے۔ بلکہ وہ کفر ہر حال میں چاہتے تھے۔ چاہے وہ ان پر فتحیاب ہوں یا نہ ہوں۔ اور یہ جملہ شرط و جزاء پر معطوف ہے۔ اللہ نے دو خبریں دی ہیں ان میں سے ایک ان کی عداوتوں کی وضاحت ہے اور ان کے خلاف دست درازی ہے اور یہ ظفریابی کی تقدیر کے ساتھ ہے اور دوسری خبر یہ ہے کہ ان کی محبت ان کا کفر ہے ان کی فتحیابی کی تقدیر کے بغیر اور یہ معنی احسن ہیں اور ابوالسعود نے اپنی تفسیر میں اسی پر اکتفا کیا ہے۔

(۳) **لَنۡ تَنۡفَعَكُمۡ اَرۡحَامُكُمۡ** (ترجمہ:۔ تمہارے قرابت دار ہرگز تمہیں فائدہ نہیں پہنچائیں گے۔ یعنی تمہاری رشتہ داریاں۔ **وَلَاۤ اَوۡلَادُكُمۡ** (ترجمہ: اور نہ ہی تمہاری اولاد) جن کی وجہ سے مسلمان کفر کی طرف میلان رکھتے تھے۔ اور گرمجوشی کے ساتھ ان کے قریب ہو رہے تھے۔ اور معنی یہ ہیں کہ قیامت کے روز تمہیں ذرا سا نفع نہیں پہنچا سکیں گے۔ یہاں تک کہ ان کی وجہ سے کفار سے محبت کرنے لگو۔ **يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ** (ترجمہ:۔ قیامت کے روز) اللہ کے اس قول لن ینفعکم کا معمول ہے یا اللہ کے یہ فرمان کا **يَفۡصِلُ بَيۡنَكُمۡ** (ترجمہ:۔ وہ تمہارے درمیان فیصلہ کریگا) جمہور نے یائے مخفوفہ پڑھا ہے مفعول کے طور پر اور اعرج، عیسیٰ ابن عامر الشامی نے یہی پڑھا ہے سوائے اس کے کہ اسے مشدد کر دیا ہے اور عاصم، حسن، اعمش نے یفصل یائے مخفوفہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ بر بناء فاعل اور ابو حیاۃ اور ابن ابی عبلہ نے اسی طرح پڑھا ہے۔ مگر ''ن'' کے ساتھ مشدّد کر کے (نفصّل) اور ان ہی دونوں نے اور زید بن علی نے 'ن' مفتوحہ خفیفہ بر بنائے فاعل پڑھا (نفصل) اور ابو حیاۃ نے بھی اسے ''ن'' مضموم کے ساتھ پڑھا ہے۔ **وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ** (ترجمہ:۔ اور اللہ تم جو کچھ کرتے ہیں اس کا دیکھنے والا ہے) پس وہ تمہارے اعمال کی جزاء دیگا۔

(۴) **قَدۡ كَانَتۡ لَكُمۡ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ** (ترجمہ:۔ تمہارے لئے بہترین نمونہ ہیں) آرزوؤں اور امیدوں سے بچنے کے لئے نمونہ ہے۔ اسوۃ کو جمہور نے همزہ کے زیر کے ساتھ پڑھا ہے اور عاصم نے اسکے پیش کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ دونوں لغتیں ہیں یعنی قابل تعریف خصلت کہ جس کی تم پیروی کرو۔ کہا جاتا ہے 'لی به اسوة فی هذا الامر'' یعنی اقتداء ہے **فِيۡۤ اِبۡرٰهِيۡمَ** (ترجمہ:۔ ابراہیمؑ کی ذات میں) یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے افعال واقوال کی طرف متوجہ فرمایا۔ تاکہ تم ان دونوں میں ان کی پیروی کرو۔ **وَالَّذِيۡنَ مَعَهٗ** (ترجمہ:۔ اور ان کے ساتھیوں میں) یعنی اہل ایمان والوں کے۔ ابن زید نے کہا وہ انبیاءؑ ہیں

مثلاً اسمٰعیل، اسحاق، اور لوط علیہم السلام ۔کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد حضرت ابراہیمؑ کے معاصر انبیاء علیہم السلام ہیں یا ان کے قریب کے دور والے ہیں۔اس لئے کہ جب وہ نمرود کے ملک سے شام کی طرف ہجرت کر گئے تو ان کے ساتھ کوئی مومن نہیں تھا سوائے سارہ رضی اللہ عنہا اور اسی لئے انہوں نے کہا تھا کہ زمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی نہیں ہے جو اللہ وحدہ کی عبادت کرتا ہو۔فراء نے کہا اس کے معنی ہیں ''اے حاطب کیا تمہیں حضرت ابراہیمؑ کی زندگی سے تازگی وتشفی نہیں ملتی کہ انہوں نے اپنے بال بچوں کو چھوڑ دیا تھا۔جیسا کہ اپنے باپ کو اور اپنی قوم کو۔**اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ** (ترجمہ:۔جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا) ابوالبقاء نے کہا کہ وہ کان کی خبر ہے یا اس سے متعلق ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ ظرف بدل اشتمال ہے ابراہیمؑ اور جو ان کے ساتھ تھے اور یہ سب سے بہتر توضیح ہے اور **لقولهم** سے مراد کافر ہیں۔معنی ہیں ان کا اپنی قوم سے خطاب جو کافر تھی اور ان میں ان کی قرابت داری بھی تھی اس کے باوجود انہوں نے اسے چھوڑ دیا اور کہا **اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ** (ترجمہ:۔ہم تم سے بری الذمہ ہیں) جمع ہے بری کی جیسے شرکاء جمع ہے شریک کی۔اور یہی جمہور نے پڑھا لیکن ابوجعفر نے باء پر پیش پڑھا ہے جیسے تو آم اور ظو آء اور اسی طرح عیسیٰ سے مروی ہے کہ ابوحاتم نے کہا کچھ افراد نے گمان کیا کہ عیسیٰ ہمدانی سے فِعال کے وزن پر مروی ہے جیسے کہ اللہ نے فرمایا اننی براء مما تعبدون ۔یہ جمع ہے فعال کے وزن پر جو واحد بھی ہے اور جمع بھی۔اور زمخشری نے کہا براء کے پیش کو زیر میں تبدیل کیا گیا جیسے کہ رخال اور رباب ہے ابوحیان نے کہا اصل میں یہ پیش تھا جو کسر سے تبدیل نہیں کیا گیا اور یہ جمع کے اوزان کے قریب ہے۔جمع تکسیر نہیں ہے کہ زیر کو پیش سے تبدیل کیا جائے۔ **وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** (ترجمہ:اور ان سے جن کو اللہ کے سوا تم پوجتے ہو) اور وہ اصنام ہیں پس ہم تم سے اور اصنام سے بری الذمہ ہیں۔ **كَفَرْنَا بِكُمْ** (ترجمہ:۔اور ہم نے تمہارا انکار کیا) الکفر ضد ہے ایمان کی۔یعنی ہم اللہ پر ایمان لائے اور تمہارا انکار کیا۔اور صحابہ کرامؓ نے یہی کہا تھا۔ہم اللہ پر ایمان لائے اور ہم نے طاغوت کا انکار کیا۔اور کہا جاتا ہے کہ اس کے معنی ہیں جحدنا (ہم نے کفر کیا) اور شمر نے کہا الکفر کے معنی البراءۃ بھی ہیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کی حکایت میں کہا **اذ دخل فی النار انی کفرت بما اشرکتمون من قبل**۔(ابراہیم ۲۲) یعنی تبراءت۔اور اس آیت میں اللہ ابراہیمؑ اور ان کے اصحاب کی تعریف کرتا ہے۔اس لئے کہ ان میں پسندیدہ بہترین خوبیاں تھیں۔پہلی یہ کہ وہ اللہ کی وحدانیت پر یقین کرنے والے تھے۔اور ان کے عقائد شرک سے مخلوط نہیں تھے۔اور دوسری یہ کہ وہ اور ان کے اصحاب اللہ پر توکل رکھنے والے تھے۔اور لوگوں میں سے کسی ایک پر توکل نہیں کرتے تھے۔اور تیسری یہ کہ وہ کافروں سے بیزار تھے۔اور ان کے مابین اسباب قرابت منقطع تھے بلکہ وہ ان کے عیب نکالتے تھے جیسا کہ اللہ سبحانہ نے فرمایا کہ **وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ** (ترجمہ:۔اور ہمارے اور تمہارے درمیان ظاہر ہو چکی ہے عداوت) عملی طور پر **وَالْبَغْضَآءُ** (ترجمہ:۔اور بغض) قلبی طور پر **اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ** (ترجمہ:۔ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہاں تک کہ تم اللہ واحد پر ایمان لے آؤ) اور جس شرک پر تم ہو اسے چھوڑ دو پس جب تم ایسا کرو گے تو ہماری عداوت محبت میں تبدیل ہو جائے گی۔اگر ایسا نہیں تو

ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی واسطہ نہیں۔ اِلَّا قَوۡلَ اِبۡرٰهِيۡمَ لِاَبِيۡهِ (ترجمہ:۔سوائے ابراہیم اپنے والد سے کہا) اس میں اختلاف ہے کہ یہ استثناء متصل ہے یا منقطع۔بعض نے کہا یہ متصل ہے اور اس کے معنی ہیں حضرت ابراہیمؑ کے کل اقوال میں اسوہ حسنہ ہے سوائے ان کا اپنے والد سے یہ کہنا لَاَسۡتَغۡفِرَنَّ لَكَ (ترجمہ:۔میں یقیناً آپ کے لئے معافی طلب کرونگا) پس اس میں اسوہ حسنہ نہیں اور اسی تقدیر پر مستثنیٰ منہ۔اسوہ حسنہ کا قول ہے اور بعض نے کہا یہ منقطع ہے اور اس کے معنی ہیں لیکن ابراہیمؑ کا اپنے باپ سے یہ کہنا ہے کہ لاستغفرن لک اس کے یہ کہنے میں اسوہ حسنہ نہیں ہے پس اس سے تشفی حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ وَمَاۤ اَمۡلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنۡ شَىۡءٍ (ترجمہ:۔اور یقیناً مجھے اللہ سے آپ کے لئے کوئی اختیار نہیں ہے۔) یہ قول مستثنیٰ کا تتمہ ہے او جملہ حالت نصب میں ہے حال ہوکر لا ستغفرن کی ضمیر کا پس مستثنیٰ لا ستغفرن کا ہے اور یہ قول اس میں شامل نہیں اس لئے کہ امر واقعی دلالت کرتا ہے کہ ان کے والد مشرک تھے۔اور مشرک کو اللہ کبھی بھی معاف نہیں کرتا۔لہذا ابراہیمؑ اللہ سے ان کے لئے کوئی خیر کے مالک نہیں تھے اور ان کا اپنے والد کے لئے استغفار محض ترحم تھا۔اور ہوسکتا ہے کہ ان کے لئے استغفار ان کے عذاب میں تخفیف کے ارادہ سے ہو۔ رَبَّنَا عَلَيۡكَ تَوَكَّلۡنَا وَاِلَيۡكَ اَنَبۡنَا (ترجمہ:۔اے ہمارے پروردگار تجھی پر ہم بھروسہ کرتے ہیں اور تیری ہی طرف ہم رخ کرتے ہیں) اور انابته رجوع ہے یعنی ہم رجوع کرتے ہیں۔ وَاِلَيۡكَ الۡمَصِيۡرُ (ترجمہ:۔اور تیری ہی طرف ٹھکانہ ہے) جار اور مجرور کو مقدم کیا گیا ہے۔ انابة اور تو کل علی الله کے قصر کے لئے۔اور حضرت ابراہیمؑ اللہ پر توکل کرنے والوں میں اکمل تھے۔مروی ہے کہ سرکش نمرود نے جب آپؑ کو آگ میں ڈالا تو جبرئیلؑ ان کے پاس آئے اور کہا اے ابراہیم کیا آپ کو اپنے رب سے کوئی حاجت ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔پس وہ محو پرواز ہوگئے اور پھر نازل ہوئے اور کہا کیا آپ کو کوئی حاجت ہے؟ آپؑ نے فرمایا نہیں۔وہ اوپر چڑھ گئے پھر نازل ہوئے اور وہ ڈر گئے اور ان کے آگ میں سقوط سے خوف زدہ ہوگئے۔حضرت ابراہیمؑ آگ سے قریب ہوئے اور اس کی تپش محسوس کرنے لگے۔حضرت جبرئیلؑ نے پوچھا کیا اپنے رب سے آپ کو کوئی حاجت ہے؟ انہوں نے جواب دیا نہیں۔حضرت جبرئیل نے اصرار کیا اور کہا مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ آگ میں نہ جل جائیں اور پھر پوچھا آپ کو کیا حاجت ہے؟ آپؑ نے فرمایا میرے حال نے میری کفایت کردی ہے کہ سوال کروں۔پس وہ مایوس ہوگئے اور اوپر چلے گئے پس اللہ نے کہا۔ یا نار کونی بردا وسلاما علی ابراهیم (الانبیاء ۶۹) (اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈک اور سلامتی بن جا) اور اس آیت کے معنی ہیں اے ہمارے رب تجھی پر میرے تمام امور میں توکل کیا ہے۔اور ان کو تیرے ہی حوالے کردیا ہے۔اور تیری ہی طرف ہم نے رجوع کیا ہے۔اور آخرة میں تیری ہی طرف واپسی کا ٹھکانہ ہے۔

(۵) رَبَّنَا لَا تَجۡعَلۡنَا فِتۡنَةً لِّلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا (ترجمہ:اے ہمارے رب ہمیں کافروں کے لئے فتنہ مت بنا) زجاج نے کہا یعنی انہیں ہم پر غالب مت کرنا کہ وہ گمان کرنے لگیں کہ وہ حق پر ہیں اور اس سے فتنہ پیدا کریں۔ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ان کو ہم

پر تسلط مت کرنا کہ وہ ہمیں عذاب میں مبتلا کر دیں اور یہ قول صاحب الکشاف کا ہے۔صاحب اللسان نے کہا فتنہ کی اصل آپ کے اس قول سے ماخوذ ہے۔ فتنت الفضة جب تم کھوٹے کو کھرے سے تمیز کے لئے آگ میں پگھلاتے ہو۔اور فتن احراق ہے۔اسی سے اللہ کا ارشاد ہے یوم ھم علی النار یفتنون(الذاریات ۱۳)اور سنار کو فتّان کہا جاتا ہے اور اسی طرح اللہ کے اس ارشاد ان الذین فتنوا المومنین والمومنات ثم لم یتوبوا(البروج ۱۰) یعنی انہوں نے بھڑکتی ہوئی آگ میں جلایا۔بڑے گڑھے میں جہاں مومنین کو پھینک رہے ہیں تا کہ انہیں ایمان سے روک سکیں۔ہوسکتا ہے کہ مصدر بمعنی مفعول ہو تب اس کے معنی ہوں گے اے ہمارے رب ہمیں کافروں کی عداوت کی وجہ سے آگ کا عذاب جھیلنے والا مت بنا جیسا کہ نمرود نے تعذیب کے لئے مجھے آگ میں ڈال دیا تھا۔ مجاہد نے کہا کہ اس کے معنی ہیں ہمیں ان کے ہاتھوں سے عذاب مت دے اور نہ ہی اپنے پاس سے عذاب دے کہ وہ یہ کہتے رہیں کہ وہ حق پر تھے جس کی وجہ سے انہیں عذاب پہنچا۔وَاغۡفِرۡ لَنَا رَبَّنَا اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ (ترجمہ:۔اے ہمارے رب ہمیں معاف کر دے آپ غالب ہیں حکیم ہیں) یعنی اپنی کاریگری میں حکمت بالغہ والے ہیں۔

(۶) لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِيۡهِمۡ (ترجمہ:۔بلاشبہ تمہارے لئے ان میں ہے) یعنی حضرت ابراہیم اور ان کے ساتھیوں کی کافروں سے بیزاری میں۔اُسۡوَةٌ (ترجمہ:۔ایک نمونہ) حَسَنَةٌ (ترجمہ:۔بہترین) مگر ایک کام میں اور وہ ابراہیمؑ کا اپنے باپ کے لئے استغفار ہے حالانکہ وہ مشرک تھے لِّمَنۡ كَانَ يَرۡجُوا اللّٰهَ وَالۡيَوۡمَ الۡاٰخِرَ (ترجمہ:اس شخص کے لئے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو) یعنی یہ اسوۃ حمیدہ سوائے اس شخص کے جو اللہ سے امید رکھتا ہو اور عذاب آخرت سے ڈرتا ہو کسی اور کے لئے نہیں ہے۔ وَمَنۡ يَّتَوَلَّ (ترجمہ:۔اور جو کوئی منہ پھیرے گا) یعنی حضرت ابراہیم اور ان کے اصحاب سے ۔ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡغَنِىُّ (ترجمہ:۔بلاشبہ اللہ ہی بے نیاز ہے) اپنی مخلوق سے۔الۡحَمِيۡدُ (ترجمہ:۔قابل ستائش) یعنی محمود ہے ہر تعریف کا مستحق ہے اور چونکہ یہ آیات دائمی مقاطعہ پر دلالت کرتی ہیں تو اللہ نے اس آیت کو اسکے برخلاف تبدیل کرنے کی طرف اشارہ فرمایا۔اور فرمایا

(۷) عَسَى اللّٰهُ (ترجمہ:۔قریب ہے کہ اللہ) یہ اللہ کی جانب سے وعدہ اور امید دلانا ہے۔اَنۡ يَّجۡعَلَ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَ الَّذِيۡنَ عَادَيۡتُمۡ مِّنۡهُمۡ مَّوَدَّةً (ترجمہ:۔کہ تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان محبت کر دے جن سے تم عداوت رکھتے ہیں) یہ فتح مکہ کی بشارت ہے کہ وہ اسلام قبول کریں گے اور تمہارے دین کو اختیار کرلیں گے پس ان کے قبائل و اقوام نے اسلام قبول کیا اور رسول اللہ ﷺ اور ان کے صحابہ کے دوستوں میں شامل ہوگئے۔فتح مکہ کے دن ابوسفیان نے اسلام قبول کیا۔پس اس کی عداوت محبت میں بدل گئی انہوں نے اپنے اسلام کو بہت اچھا کرلیا۔وَاللّٰهُ قَدِيۡرٌ (ترجمہ:۔اور اللہ قدرت والا ہے) یعنی قدرت والا احوال کو بدلنے والا اور ارادتوں کو تبدیل کرنے والا ہے۔وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ (ترجمہ:۔اور بہت معاف فرمانے والا رحیم ہے) پس اسلام کے بعد عہد کفر میں جو کچھ وہ ماضی میں کر چکے ہیں اس پر انتقام نہیں لے گا۔

(۸) لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ (ترجمہ:۔ اللہ نے تمہیں منع نہیں کیا ہے کہ جن لوگوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ نہیں کی اور نہ ہی تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا۔ ان سے تم نیکی کا معاملہ کرو) یعنی ان سے بھلائی کرو۔ ان کی تکریم کرو اور ان سے میل جول رکھو۔ اور یہ اس لئے کہ انہوں نے نہ تو تم سے جنگ کی اور نہ ہی تمہیں جلاوطن کیا لہٰذا ان سے تقاطع نہیں کرنا چاہئے۔ جیسا کہ عبداللہ ابن زبیرؓ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ قتیلہ بنت عبدالعزیٰ اپنی بیٹی اسماء بنت ابوبکرؓ کے پاس تحائف لے کر آئی ضباب (گوہ)، قرظ (برگ سلم) کے پتے اور گھی جبکہ وہ مشرکہ تھیں اسماء نے ان تحفوں کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ نہ ہی اپنے گھر میں آنے دیا۔ پھر حضرت عائشہؓ کی طرف پیغام بھجوایا کہ وہ رسولؐ سے پوچھیں تو انہوں نے آپ ﷺ سے پوچھا تو اللہ نے یہ آیت نازل کی۔ پس آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کے تحفے قبول کر لیں۔ اور اسے گھر میں آنے دیں۔ اس کو احمد، بزار، اور ابو یعلی وغیرھم نے روایت کیا۔ پس یہ آیت ان کفار و مشرکین سے تحفے قبول کرنے کی دلیل ہے جنہوں نے مسلمانوں کو کبھی ایذا نہیں پہنچائی۔ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ (ترجمہ: اور ان سے انصاف کا رویہ رکھو) ان سے عدل وانصاف کے ساتھ برتاؤ کرو ان پر ظلم نہ کرو۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (ترجمہ:۔ بلاشبہ اللہ عدل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے) یعنی معاملات میں عادل افراد۔

(۹) اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ (ترجمہ:۔ بلاشبہ تمہیں منع کرتا ہے ان لوگوں سے جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی اور تمہیں جلاوطن کیا) یعنی بے وطن کیا۔ مجبوری کے عالم میں اور سختی کے ساتھ۔ وَظٰهَرُوْا (ترجمہ:۔ اور انہوں نے مدد کی) یعنی انہوں نے تمہارے خلاف جنگ کرنے والوں اور تمہیں نکالنے والوں کے ساتھ تعاون کیا۔ عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ (ترجمہ: تمہیں نکلوانے میں کہ تم ان سے دوستی کرو) یعنی ان سے محبت کی پینگیں بڑھاؤ کیونکہ عداوت کے مقام پر محبت کو رکھتا ہے۔ اور یہ قبیح ہے اور یہ بدل اشتمال ہے "الذین" سے وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ (ترجمہ:۔ اور جو کوئی ان سے دوستی بڑھائے گا) یعنی دوستی یاری کرے گا فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (پس یہی لوگ تو ظالم ہیں) کیونکہ ظالم وہ ہوتا ہے جو کسی چیز کو اس کے مقام کے بجائے دوسری جگہ پر رکھتا ہے۔ پس جو لوگ دوستی کرتے ہیں ان لوگوں سے ان سے جنگ کے بعد اور ان کو بے وطن کرنے کے بعد وہ ظالموں کے سوا کچھ نہیں ہو سکتے۔

(۱۰) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ (ترجمہ:۔ اے ایمان والو جب تمہارے پاس مومن عورتیں، مہاجرات ہو کر آئیں) مہاجرات۔ منصوب حال ہونے کی وجہ سے۔ یہ بلاد کفار سے دارالسلام یعنی مدینہ رسول میں ہجرت کرنے والیاں ہیں۔ "مومنات" فرمایا ہے اس لئے کہ وہ مسلمان تھیں یا اس وجہ سے کہ وہ امتحان کے باوجود اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے والی تھیں اور وہ اس طرح کہ جب رسولؐ نے حدیبیہ والے دن قریش کے ساتھ طئے فرمایا کہ ان کے پاس جو مسلمان

آ ئیں گے انہیں آپؐ واپس کر دیں گے تو کچھ مسلمان عورتیں آ ئیں جیسا کہ عبد اللہ بن ابی احمد سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ ام کلثوم بنت عقبہ بن ابو معیط نے ہجرت کی تو اس کے بھائی عمارۃ اور ولید حضورؐ کے پاس آئے اور آپ سے ام کلثومؓ کے بارے میں بات کی کہ آپؐ اسے ان کی طرف واپس کر دیں۔ تو نبی پاک ﷺ نے اللہ کی طرف سے خاص طور پر عورتوں کے بارے میں حضور ﷺ اور مشرکوں کے معاہدہ کو کالعدم قرار دینے کیوجہ سے مشرکوں کی طرف لوٹانے سے منع فرما دیا۔ اور اللہ نے ان کے امتحان کا حکم دیا جیسا کہ اس نے ارشاد فرمایا **فَامۡتَحِنُوۡ هُنَّ اَللّٰهُ اَعۡلَمُ بِاِيۡمَانِهِنَّ فَاِ نۡ عَلِمۡتُمُوۡهُنَّ مُؤۡمِنٰتٍ فَلَا تَرۡجِعُوۡ هُنَّ اِلَى الۡكُفَّارِ** (ترجمہ:۔ تو ان کا امتحان لینا اللہ ان کے ایمان کو سب سے زیادہ جانتا ہے پھر اگر تم تصدیق کر لو کہ وہ مومنات ہیں تو پھر انہیں کفار کی طرف نہیں لوٹانا) ان عورتوں کو کفار کی طرف۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ ان سے اس طرح امتحان لیتے تھے۔ یعنی آپ ان سے قسم لیتے تھے کہ اللہ کی قسم میں شوہر سے بیزار ہو کر نہیں آئی ہوں اور اللہ کی قسم میں کسی زمین کی رغبت کی وجہ سے بھی نہیں آتی ہوں اور اللہ کی قسم میں دنیا طلبی میں بھی نہیں آئی ہوں۔ اللہ کی قسم میں تو اللہ اور اسکے رسول کی محبت کی وجہ سے آئی ہوں۔ ابن عباسؓ سے ایک اور طرح سے مروی ہے کہ ان کا امتحان اس طرح سے ہوتا تھا کہ وہ اسبات کی گواہی دیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ امام مجاہد فرماتے ہیں کہ ان عورتوں سے کہا جاتا تھا کہ تم ان آنے والی عورتوں سے پوچھو کہ کس وجہ سے آئی ہیں پس اگر وہ شوہر کی ناراضگی یا کسی اور وجہ سے آئی ہیں اور ایمان بھی نہیں لائی ہیں تو انہیں ان کے شوہروں کی طرف لوٹا دو۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ انہیں کہا جاتا تھا کہ تمہیں اللہ اور اس کے رسول کی محبت ہی لائی ہے اور تمہیں کسی آدمی کا عشق و محبت اور اپنے شوہروں سے فرار تو یہاں نہیں لایا؟ اور قتادہ فرماتے ہیں کہ ان کا امتحان یوں ہوتا تھا کہ ان سے حلف لیا جاتا تھا کہ تمہیں شوہروں کی سرتابی تو نہیں نکال لائی؟ اور محض اسلام اور اہل اسلام کی محبت اور اسلام کی چاہت ہی لے آئی ہے اور پھر ان کے اعتراف کرنے کے بعد اعتراف قبول کر لیا جاتا تھا۔ اور جب یہ حلف اٹھا لیتی تھی تو نبی ﷺ اس کے شوہر کو اس عورت پر اور جو کچھ اس نے خرچ کیا تھا اسے دیتے تھے اور عورت کو اسکی طرف واپس نہیں کرتے تھے۔ **لَا هُنَّ حِلّ'' لَّهُمۡ** (ترجمہ:۔ تو اب وہ ان (کفار) کے لئے حلال نہیں) یعنی کافروں کے لئے **وَلَا هُمۡ يَحِلُّوۡنَ لَهُنَّ** (ترجمہ:۔ نہ ہی وہ (مومنات) ان کے لئے حلال ہیں) ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔ یہ ان کے واپس لوٹائے جانے سے ''نہی'' کی تعلیل ہے۔ اور حرمۃ کی تاکید کے لئے تکرار ہے۔ اور یہ حکم قیامت تک کے لئے دوامی حجت ہے۔ پس یہ آیت تحریمی دلالۃ کرتی ہے کہ مومن عورت کافر کے لئے حلال نہیں اور اسی طرح مومن مرد کافرہ عورت کے لئے حلال نہیں ہے۔ یہ ابتدائے اسلام میں جائز تھا۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی زینبؓ کا ابو العاص سے بیاہ کر دیا تھا جبکہ وہ اپنے دین پر تھا۔ پس جب یوم بدر وہ قیدی ہو گیا۔ تو زینبؓ نے اس کے فدیہ کے لئے وہ ہار بھیجا جو ان کی والدہ حضرت خدیجہؓ کا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اس ہار کو دیکھا تو آپ ﷺ پر شدید رقت طاری ہو گئی اور مسلمانوں سے فرمایا کہ اگر تم مناسب سمجھو تو زینبؓ کی خاطر اسکے قیدی کو آزاد کر دو۔ تو

مسلمانوں نے اسے ایسا کرنے کی اجازت دی اور رسول اللہ ﷺ نے اسے اس شرط پر آزاد کر دیا کہ نبی ﷺ کی بیٹی کو آپ ﷺ کی طرف بھیجدے گا۔ پھر اس نے وعدہ پورا کیا اور حضرت زینب کو زید بن حارثؓ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس بھجوادیا۔ اور حضرت زینب ۲/ھ میں واقعہ بدر کے بعد اسوقت تک مدینہ میں رہیں جب تک کہ ان کے شوہر ابوالعاص بن ربیع ۸/ ہجری میں اسلام نہ لے آئے پھر آپ نے حضرت زینب کو پہلے نکاح ہی کے ساتھ اس کے شوہر کو لوٹا دیا اور نیا مہر نہیں لیا۔ اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت زینب کی علیحدگی ابوالعاص کے اسلام سے چھ سال پہلے تھی اور پہلا ہی نکاح برقرار رہا آپ نے اسکے لئے نئی گواہی اور نئے مہر کا اہتمام نہیں کیا۔ ابوداؤد عمرو بن شعیب سے وہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی کو ابوالعاص کی طرف نئے مہر اور نئے نکاح کیساتھ روانہ کیا تھا۔ یزید نے کہا کہ ابن عباسؓ کی روایت کردہ حدیث سند کے اعتبار سے زیادہ عمدہ ہے۔
اور اس مسئلہ میں تفصیلی بحث بھی ہے وہ یہ کہ عورت جب شوہر سے پہلے اسلام لے آئے اور دارالاسلام کی طرف ہجرت کر کے آجائے اور اسکی عدت پوری ہوگئی اور اس کا شوہر اسلام بھی نہ لایا تو اس کا نکاح فاسق ہو جائے گا اور اسکی عدت کی تکمیل سے پہلے شوہر اسلام لے آیا تو اسکا نکاح فاسق نہیں ہوگا۔ اور پہلے ہی نکاح کے ساتھ اسے شوہر کی طرف لوٹایا جائے گا۔ یہ ابوحنیفہؒ شافعیؒ اور مالکؒ کا قول ہے کیونکہ اس بارے میں صفوان بن امیہ کی حدیث وارد ہوئی ہے وہ یہ کہ اسکی بیوی عاتکہ بنت ولید بن مغیرہ صفوان سے پہلے ہی اسلام لے آئی تھی۔ جس کے بعد وہ اسلام لایا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے انکا سابقہ نکاح ہی برقرار رکھا روایت میں آیا ہے کہ صفوان اور اس کی بیوی کے اسلام کے درمیان تقریباً مہینے کی مدت ہے۔ ابن شہاب نے کہا ہے کہ ہم تک اس قسم کی کوئی خبر نہیں پہنچی کہ کسی عورت نے رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کی ہو اور اسکا کافر شوہر دارالکفر میں مقیم ہو۔ اس کی ہجرت نے دونوں کے درمیان جدائی کر دی سوائے اس صورت کے کہ اس کا شوہر عدت گذرنے سے پہلے ہجرت کر کے آگیا۔ اسے حکیم قاضی ابن رشد نے ذکر کیا ہے۔ اور یہ جمہور کا بھی مذہب ہے اور بعض اصحاب کی یہ رائے ہے یہ جب اسکی عدت پوری ہو جائے تو عورت کو اختیار ہے کہ وہ نکاح کو باقی رکھے اور چاہے تو فسخ کر کے شادی کرلے۔ اور ابن عباسؓ کی روایت کو اسی مفہوم پر انہوں نے محمول کیا ہے۔ میں کہتا ہوں عمرو بن شعیب والی حدیث کو جمہور مجتہدین نے اختیار فرمایا۔ واللہ اعلم۔ **وَاٰتُوْهُمْ** (ترجمہ:۔ اور انہیں دے دو) یعنی ان اسلام لانے والیوں اور ہجرت کرنے والیوں کے شوہروں کو واپس لوٹادو۔ **مَّآ اَنْفَقُوْا** (ترجمہ:۔ جو کچھ وہ خرچ کر چکے) یعنی مہر وغیرہ جو وہ ادا کر چکے۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ حکم اہل مہادنۃ (معاہدہ والے) کے لئے ہے۔ اور یہ وہ تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے صلح کر لی تھی اور جہاں تک حربیوں (متحاربین) کا تعلق ہے یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کوئی معاہدہ نہیں کیا تھا۔ اور ان کی عورتیں رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کر گئیں تھیں پس ان کے مہران کے شوہروں کو لوٹانا واجب نہیں اور یہ مذہب جمہور ہے۔ پس یہ صرف اہل مہادیہ پر ہی واجب ہے کسی اور پر نہیں۔ **وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ** (ترجمہ:۔ اور جب تم ان کے مہر

(اجور)ادا کردوتو ان سے نکاح کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔)اجور یعنی ان کے مہر۔اوراس آیت سے ابوحنیفہؒ نے استدلال کیا کہ مہاجرات پر عدت واجب نہیں۔اور شافعی اور احمد اور اوزاعی اور لیث نے کہا کہ یہ آیت اس کے قول کو رد کرتی ہے کہ مہر مدفوع الی الکفار (کفار کا دیا ہوا مہر)ان کے تجدید مہر سے مستغنی کر دیتا ہے جب وہ مسلمانوں سے شادی کریں۔کیونکہ کفار کا دیا ہوا اس مہر کا قائم مقام نہیں ہوسکتا جو ان سے نئی اور دوسری شادی کرنے والے پر لازم ہوتا ہے۔میری رائے میں ابوحنیفہؒ کا قول وقیع ہے کہ مہاجرات پر کوئی عدت نہیں ہے۔اس لئے کہ اللہ نے کہا ہے کہ ان سے نکاح کرو جب تم ان کے اجور ادا کردو اور یہ نہیں کہا کہ ان کی عدتوں کے بعد نکاح کردو۔ **وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ** (ترجمہ:۔اور کافرعورتوں کے بندھنوں کو قائم مت رکھو) جمہور نے تمسکوا ''امساک'' سے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔اور ابوعبید نے اللہ کے قول کی وجہ سے (فامسکوھن المعروف) اس قراۃ کو اور تمسک کو تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔اور الحسن نے بھی سین کے زیر کے ساتھ مضارع مسک کے ثلاثی باب سے پڑھا ہے۔کرخی نے کہا کہ کوافر میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہیں۔لیکن ابوعلی فارسی نے ان سے کہا کہ نحوی نساء(عورتوں) کے بارے ہی میں سمجھتے ہیں کافرۃ کی جمع۔ اور کہا کہ کیا طائفۃ کا فرۃ اور فرقۃ کافرۃ نہیں کہا جاتا یہ سن کر کرخی مبہوت ہو گیا اس لئے کہ ''کافرۃ'' مردوں کے وصف کے لئے استعمال نہیں کیا جاتا۔مگر صرف اسوقت مستعمل ہوتا ہے جب کہ موصوف مونث ہو جیسے طائفۃ اور فرقۃ۔اکثر اہل علم نے کہا کہ کافرۃ سے صرف مشرک عورتیں مراد ہیں کتابی عورتیں مراد نہیں ہیں اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب شوہر عورت سے پہلے اسلام لے آیا تو اس صورت میں اختلاف ہے۔امام مالکؒ نے فرمایا کہ اگر عورت پر اسلام پیش کیا گیا اور اس نے انکار کر دیا تو وہ دونوں کے درمیان فرقت (علیحدگی) واقع ہو جائے گی۔ابوحنیفہؒ کا بھی یہی قول ہے۔امام شافعی فرماتے ہیں مرد عورت سے پہلے اسلام لائے یا عورت مرد سے پہلے اسلام لائے اور بعد میں اسلام لانے والے کا اسلام عرصہ عدت کے دوران ثابت ہو تو نکاح برقرار رہے گا ورنہ نہیں۔ان کے اختلاف کا سبب یہ ہے کہ نص کے حکم کا عموم اثر و قیاس کے معارض ہے لاتمسکوا بعصم الکوافر کا ارشاد ربانی فوری طور پر علیحدگی کا تقاضہ کر رہا ہے۔پس دونوں کے درمیان علیحدگی واقع ہو جائیگی اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں ''دار'' کا اختلاف عصمت کو کاٹ دینا ہے پس دونوں کے درمیان نکاح باقی نہیں رہے گا اس کی وجہ سے ابوحنیفہؒ و مالکؒ نے دونوں کے درمیان جدائی واقع ہونے کا قول فرمایا ہے۔جہاں تک معارض اثر کا تعلق ہے تو وہ یہ ہے کہ ابوسفیان بن حرب' ہندہ بنت عتبہ کے اسلام سے پہلے اسلام لے آئے تھے ابوسفیان گذرگاہ ظہران کے مقام پر اسلام لے آئے تھے پھر وہ مکہ لوٹ آئے اور ہندہ بیوی کافرہ تھی جس نے اس کی داڑھی پکڑ لی اور کہنے لگی کہ اس گمراہ بڈھے کو قتل کردو۔ اس کے بعد وہ اسلام لائی تو ان دونوں کو ان کے سابقہ نکاح پر باقی رکھا گیا اور جہاں تک اس اثر کے معارض قیاس کا تعلق ہے تو وہ یوں ہے کہ اس سے ظاہر ہوا کہ عورت کے شوہر سے پہلے یا شوہر کے عورت سے پہلے اسلام لانے میں کوئی فرق نہیں ہے اگر اس عورت کے پہلے اسلام میں عدت معتبر ہوتی تو مرد کے پہلے اسلام لانے میں بھی اسکا اعتبار کیا جاتا۔ **وَاسْأَلُوا مَا أَنْفَقْتُمْ** (ترجمہ:۔اور واپس

مانگو جو تم نے خرچ کیا) یعنی اپنی عورتوں کے مہر طلب کرو جو کفار سے جا ملیں ہیں ان لوگوں سے مطالبہ کرو جن سے ان عورتوں نے نکاح کیا ہے۔ **وَلْيَسْئَلُوا مَا اَنْفَقُوا** (ترجمہ:۔اور انہیں واپس مانگنے دو جنہوں نے خرچ کیا)۔ اپنی ان عورتوں کے مہروں میں سے جنہوں نے دارالاسلام کی طرف ہجرت کی ہے۔ ان مسلمانوں سے جن سے انہوں نے نکاح کیا اور یہی مرتدات کا حال ہے جو کفار سے جاملی ہیں۔ بلاشبہ مسلمانوں نے ان سے جن سے بیویوں نے نکاح کیا تھا۔ یہ کہا کہ ان کے مہر لاؤ اور یہی مسلمات کا حال تھا جنہوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ **ذَالِكُمْ** (ترجمہ: یہ) یعنی مہروں کولوٹانا۔ **حُكْمُ اللهِ** (ترجمہ:۔اللہ کا فیصلہ ہے) **يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ وَاللهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ** (ترجمہ:۔وہ تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے) یعنی بہت زیادہ علم اور حکمت والا ہے۔

(۱۱) **وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَا اَنْفَقُوْا** (ترجمہ:۔اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کفار کی طرف چلی جائے۔ اور تم مال غنیمت حاصل کرلو۔ (تو اس غنیمت میں سے) ان لوگوں کو دو جن کی ازواج چلی گئیں اتنا ہی جتنا کہ انہوں نے خرچ کیا) شیخ الاسلام ابن کثیر نے اپنے تفسیر میں کہا ہے کہ مجاہد وقتادہ نے کہا کہ یہ آیت ان کفار کے متعلق ہے جن سے کوئی عہد نہ تھا جب ان کی طرف کوئی عورت فرار ہوگئی ہو اور انہوں نے اس کے شوہر کو کچھ بھی نہ دیا ہو تو جب ان کی کوئی عورت آجائے تو اس کے شوہر کو کچھ بھی نہیں دیا جائے گا یہاں تک ان کی طرف جانے والی عورت کے مسلمان شوہر کر گئی ہوئی عورت کے مہر ونفقہ کے مطابق دیا جائے۔ میں کہتا ہوں کہ جمہور کا اس طرف رجحان ہے کہ انفاق کا حکم صرف اہل معاہدہ پر ہی مقصور ہے۔ جیسا کہ ہم ذکر کر آئے ہیں اہل معاہدہ کے علاوہ دوسروں پر نہیں ہے، ہمارے قول کے مطابق جمہور کا یہی مذہب ہے لیکن صحیح وہ ہے جسے امام رازی نے کہا کہ زہری اور مسروق سے مروی ہے کہ اللہ کا یہ حکم کہ مسلمان کفار سے ان کی طرف مرتد ہو کر جانے والی عورتوں کا مہر طلب کریں جبکہ مشرکوں نے انکار کردیا۔ تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ امام حسن اور مقاتل نے کہا کہ یہ آیت ام حکیم بنت ابوسفیان کے بارے میں نازل ہوئی جو مرتد ہوگئی اور اس نے اپنے شوہر عباس بن تمیم قریشی کو چھوڑ دیا اور اس کے علاوہ قریش میں سے کوئی بھی عورت مرتد نہیں ہوئی تھی۔ پھر وہ اسلام کی طرف لوٹ آئی تھی۔ **فعاقبتم** کے معنی ابن عباسؓ مسروق اور مقاتل کے قول کے مطابق **فغنمتم** ہیں ابوعبیدہ نے کہا کہ **اصبتم منهم عقبى اى العاقبة** اس صورت میں عاقبتم کے معنی یہ ہوں گے کہ تم ان کے ساتھ سزا دینے کے لئے ایک جنگ کے بعد دوسری جنگ کرو تو شوہروں کو مالِ غنیمت میں سے اتنا دو جتنا کہ انہوں نے خرچ کیا تھا۔ **الذين ذهبت ازواجهم مثل ماانفقوا (الممتحنة۱۱)** کی آیت اسی بارے میں ہے۔ نیز اسے **فاعقبتم** بھی پڑھا گیا ہے۔ اور **فعقبتم** باتشدید بھی پڑھا گیا ہے۔ نیز **فَعَقَبْتُمْ** اور **فَعَقِبْتُمْ** تخفیف کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ **وَاتَّقُوا اللهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ** (ترجمہ:۔ڈرو اس اللہ سے جس پر تم ایمان لا چکے ہو) تو اللہ پر ایمان تقوی کا تقاضہ کرتا ہے۔

(۱۲) **يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ** (ترجمہ:۔اے نبی جب آپ کے پاس مومن عورتیں

آئیں آپ سے بیعت کریں) بیعت کرنے والیاں مبائعات یعنی بیعت کا قصد کرتی ہوئی یہ آیت کریمہ فتح مکہ کے دن نازل ہوئی تھی جبکہ آپ ﷺ صفا پر تھے اور عمرؓ نیچے تھے۔ عورتوں سے رسول کی تعمیل حکم میں بیعت لے رہے تھے۔ ان کی طرف سے عورتوں کو پیغام پہنچا رہے تھے ان عورتوں میں ہندہ بن عتبہ زوجہ ابوسفیان بھی تھیں برقعہ پوش ہوکر تذبذب کے عالم میں رسول اللہ ﷺ سے ڈری ہوئی کہ کہیں وہ ان کو پہچان نہ لیں۔ جب عورتیں جمع ہوگئیں تو رسول اللہ ﷺ نے کہا میں بیعت لیتا ہوں اس پر **عَلٰٓی اَنْ لَّا یُشْرِکْنَ بِاللّٰہِ شَیْئًا** (ترجمہ:۔ اس بات پر کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی) پس ہند نے اپنا نقاب اٹھالیا اور بولیں۔ خدا کی قسم ہم بتوں کو پوجتے تھے لیکن جس طرح کی بیعت آپ مردوں سے لے رہے ہیں۔ ہم سے نہیں لے رہے ہیں آپ نے ان مردوں سے صرف اسلام اور جہاد کی بیعت لی ہے۔ آپ ﷺ نے انہیں کوئی جواب نہیں دیا۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ مردوں سے جو بیعت لے رہے تھے وہ ان سے صرف ان ہی امور پر بیعت لے رہے تھے جیسا کہ عبادۃ الصامتؓ سے مروی ہے آپؓ نے کہا میں ان میں سے ہوں جو عقبہ اولیٰ میں موجود تھے اور ہم بارہ افراد تھے پس ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت النساء کی بیعت کی اور یہ لڑائی کے فرض ہونے سے پہلے کی بات ہے۔ کہ ہم اللہ سے ذرا بھی شرک نہیں کریں گے۔ نہ چوری کریں گے نہ زنا کریں گے اور نہ ہی اولاد کو قتل کریں گے اور نہ ہی ہم کوئی بہتان باندھیں گے اور نہ ہی کسی نیک کام میں ان کی نافرمانی کریں گے تو آپ نے فرمایا اگر تم لوگوں نے اس معاہدہ کو پورا کیا تو تمہارے لئے جنت ہے۔ اور یہ رسول اللہ ﷺ نے اسی لئے فرمایا تھا کیونکہ عورتیں ناقص العقل والدین ہوتی ہیں تو ہوسکتا ہے وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھیرالیں اور اس سے نہ بچ سکیں۔ پھر فرمایا **وَّلَا یَسْرِقْنَ** (ترجمہ:۔ وہ چوری نہیں کریں گی) پس ہند نے کہا ابوسفیان ایک بخیل آدمی ہے میں اس کے مال میں کچھ لے لیا کرتی تھی میں نہیں جانتی کہ وہ میرے لئے حلال تھے کہ نہیں۔ ابوسفیان بولے جو کچھ تو نے پہلے لیا یا آئندہ لے گی تو وہ تیرے لئے حلال ہے پس رسول اللہ ﷺ ہنس دئے اور اس کو پہچان لیا اور آپ نے اسے بلایا تو اس نے حضور کا ہاتھ پکڑ لیا تو آپ نے معذرت کر لی کیونکہ اس نے حضرت حمزہؓ کا پیٹ چاک کردیا ان کا کلیجہ نکال لیا اس کو چباڈالا اور نگل گئیں۔ پھر قئے کردی۔ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر اس کے بطن میں اس میں سے کوئی قطعۃ (ٹکڑا) باقی رہ جاتا تو اس پر جہنم کی آگ حرام ہوجاتی۔ پس آپ نے ان سے کہا تم یقیناً ہند بنت عتبہ ہو انہوں نے جواب دیا جی ہاں جو کچھ گذر گیا اسے معاف کردیجئے یا نبی اللہ۔ اللہ آپ کو معاف کرے گا پھر آپ نے فرمایا **وَلَا یَزْنِیْنَ** (ترجمہ:۔ وہ زنا نہیں کریں گی) ہند نے کہا کیا کوئی آزاد عورت بھی زنا کرسکتی ہے؟ اور روایت ہے کہ ان عورتوں میں سے کسی نے بھی زنا نہیں کیا تھا۔ میں کہتا ہوں یہ گمان محض آزاد عورتوں اور قبیلہ کی عورتوں کے بارے میں تھا۔ **وَلَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَھُنَّ** (ترجمہ:۔ اور اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی) تو اس پر ہند نے کہا ہم نے انہیں پالا جب وہ چھوٹے تھے۔ اور تم نے اس قتل کردیا جب وہ بڑے ہوئے اور اب آپ جانیں یا وہ جانیں۔ ان کا ایک بیٹا حنظلہ بن ابوسفیان تھا جو بدر کے دن مارا گیا۔ یہ بات سن کر حضرت عمرؓ اتنے ہنسے کہ پیچھے گر گئے۔ (ہنستے ہنستے دہرے ہوگئے) اور رسول اللہ

ﷺ مسکرا دئے۔ میں کہتا ہوں کہ اس کا جواب بے ادبی پر دلالت کرتا ہے اور اس پر کہ اس نے آپؐ کے کلام کو نہیں سمجھا تھا۔ اور نہ ہی قتل اولاد کو سمجھ سکی تھی جبکہ اس سے وہ عمل مراد ہے جو اہل جاہلیت فقر و فاقہ اور عار کے ڈر سے کیا کرتے تھے یعنی لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ پھر فرمایا **وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ** (ترجمہ:۔ اور نہ بہتان باندھیں گی) یعنی گھڑیں گی۔ **بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ** (ترجمہ:۔ اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان) یعنی اپنے شوہروں سے دوسری اولاد کو منسوب نہیں کریں گی۔ اسی سے مروی ہے کہ آزاد عورت کو بچی پیدا ہوتی تھی تو اس کی جگہ پر لڑکا کر دیا جاتا تھا یہ ہے مراد افتراء سے۔ فراء نے کہا کہ عورت کسی نومولود بچے کو اٹھا لیتی تھی اور شوہر سے کہتی تھی کہ یہ تم سے میری اولاد ہے اور یہ بہتان ہے۔ کوئی عورت اولاد کو جب جنم دیتی ہے تو وہ ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان ہوتا ہے۔ اور جب اس نے اسے ہاتھوں پاؤں کے درمیان سے جنم دیا اور پھر بھی وہ یہ کہے کہ میں نے اس کو واقعتاً جنم دیا ہے پس تو یہ ہے ان کے ہاتھوں پاؤں کے درمیان افتراء ہے۔ اور اس سے مراد زنا نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ **لا یزنین** کے قول میں شامل ہے۔ اور ہند نے کہا خدا کی قسم بہتان نہایت قبیح امر ہے۔ آپ ہم کو سیدھی راہ پر چلنے اور مکارم الاخلاق اختیار کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ اور آپ نے کہا **وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ** (ترجمہ:۔ معروف امور (شرعی باتوں) میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی) ہند نے کہا ہم اس مجلس میں آئے ہیں تو ہمارے دلوں میں کسی نافرمانی کا خیال ہی نہیں ہوسکتا اور **معروف** سے مراد ہے امر و نہی۔ اور سعید بن مسیّب اور دیگر نے کہا۔ ''**ولا یعصینک فی معروف**'' کے معنی جس چیز کا آپ حکم دیتے ہیں اور جن سے آپ منع کرتے ہیں جیسے (میت پر) نوحہ کرنا' کپڑے پھاڑنا' بال نوچنا' گریباں چاک کرنا' چہرے پر خراش ڈالنا اور نہ ہی وہ مردوں سے بات کریں سوائے اس کے کہ وہ محرم ہوں۔ اور نہ ہی غیر محرم کے ساتھ تخلیہ میں بیٹھیں اور محرم کے علاوہ سفر نہ کریں۔ اور مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں جاہلیت کے چار امور ہیں۔ نیکی میں فخر' نسب میں طعن' ستاروں سے بارش مانگنا اور نوحہ گری۔ اور حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آپ فرماتی ہیں کہ ہند بنت عتبہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں تا کہ آپ سے بیعت کریں اور پھر آپ ﷺ نے ان کے ہاتھوں کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ جاؤ ہاتھوں کو تبدیل کر کے آؤ وہ گئیں اور مہندی سے بدل کے آگئیں اور پھر آپ ﷺ نے کہا کہ میں تم سے یہ بیعت لیتا ہوں کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرو گی تو اس نے حضور سے بیعت کر لی جبکہ اس کے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن بھی تھے' اس نے پوچھا کہ آپ ان کنگنوں کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا جہنم کے انگاروں میں سے دو انگارے ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے ہند کو جو فرمایا تھا کہ ہاتھ بدل کے آؤ وہ اس لئے کہ اس کے ہاتھ درندوں کے ہتھیلیوں کی طرح تھے۔ جیسے کہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ہند نے کہا یا رسول اللہ ﷺ مجھے بیعت کریں تو آپ ﷺ نے فرمایا اس وقت تک بیعت نہیں کرلوں گا جب تک کہ تو اپنی ہتھیلیاں تبدیل نہیں کرے گی جو کہ درندوں کی ہتھیلیوں کی طرح ہیں۔ **فَبَايِعْهُنَّ** (ترجمہ:۔ تو آپ ان سے بیعت لے لیا کریں) یعنی اگر وہ ان امور پر بیعت کریں تو آپ ان سے بیعت لے لیں۔ حضرت عائشہؓ نے کہا پس مومنات میں

سے جنھوں نے ان شرائط پر اقرار کیا ان سے رسول اللہ ﷺ محض زبانی فرماتے تھے کہ میں نے تجھ سے بیعت لی' کسی بھی عورت سے آپؐ کا ہاتھ مس نہیں ہوا آپ نے صرف ان سے اسی ارشاد کے ساتھ بیعت لی۔ یہ بخاری کے الفاظ ہیں اور امام احمد کی روایت میں ہے کہ ایک عورت نے پوچھا یارسول اللہ ﷺ آپ ہم سے مصافحہ نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا ہوں بلاشبہ ایک عورت سے میری بات سو عورتوں کے ساتھ بات کے برابر ہے۔ مروی ہے کہ جب آپ ﷺ عورتوں سے بیعت لیتے تھے پانی کا ایک برتن طلب کرتے تھے پھر اس میں اپنا ہاتھ ڈالتے تھے اور اس کے بعد عورتیں اس برتن میں ہاتھ ڈالتیں تھیں۔ بیعت کی کئی قسمیں ہیں۔ پہلی بیعت الاسلام ہے اور اس سے مراد ہے کہ تمہارا یقین کرنا اور اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمداً عبده ورسوله کہنا۔ اور دوسری بیعت التوبہ ہے اور اس سے مراد ہے جو اللہ اور رسول نے ذکر فرمایا۔ اور تیسری بیعت الجہاد ہے اور وہ ہے کہ اللہ کے راستے میں قتال پر امام سے بیعت کرنا اور چوتھی بیعت الخلافۃ والامارۃ ہے اور اس سے مراد ہے کہ خلیفہ یا امیر سے بیعت کرنا امور شریعہ اور مصالح ملکیہ کے اندر اس کی مخالفت نہیں کرو گے اور نہ کوئی ایسی بات کہو گے اور نہ کوئی فعل ایسا کرو گے جو ان معاملات میں امام کے مخالف ہو۔ اور صوفیہ کے نزدیک مشہور و معروف بیعۃ سوائے بیعت التوبہ کے کچھ نہیں ہے کیونکہ وہ مبائعین (بیعت کرنے والوں) سے کہتے ہیں اتقوا الله (اللہ سے ڈرو) اور توبوا اليه (اسکی طرف رجوع کرو) اور اللہ کی عبادت ایسے کرو کہ جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو۔ اور اگر نہیں دیکھ رہے ہو وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اور اللہ کا ذکر اٹھتے بیٹھتے کرو اور اسی پر بھروسہ کرو' دنیا کی محبت اور اس کی لذتوں سے بچو اس لئے وہ تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ بعض مفسرین نے کہا یہ ایسا معاملہ ہے جو صوفیہ نے ایجاد کیا ہے ان کے اس کہنے کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ **وَاسۡتَغۡفِرۡ لَهُنَّ اللّٰهَ** (ترجمہ:۔ اور اللہ سے ان (عورتوں) کے لئے مغفرت مانگو) یعنی ان کے لئے مغفرت طلب کرو ان کے بیعت کرنے کے بعد **اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ** (ترجمہ:۔ بلاشبہ اللہ بہت سے زیادہ معاف کرنے والا' بہت مہربان ہے) یعنی بہت زیادہ پھر غفران ورحمۃ والا ہے اپنے بندوں کے لئے۔

(۱۳) **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَوَلَّوۡا قَوۡمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ** (ترجمہ: اے ایمان والو ان لوگوں سے دوستی مت کرو اللہ جن پر برہم ہوا) یہ کافروں کو دوست بنانے کرنے کی ممانعت پر تاکید ہے۔ **قَدۡ يَئِسُوۡا مِنَ الۡاٰخِرَةِ** (ترجمہ:۔ وہ آخرت (کے ثواب وفلاح) سے (ایسے) مایوس ہوگئے ہیں) اس لئے کہ وہ کافر ہیں۔ **كَمَا يَئِسَ الۡكُفَّارُ مِنۡ اَصۡحٰبِ الۡقُبُوۡرِ** (ترجمہ: جیسے کافر قبر والوں سے مایوس ہو چکے ہیں) یعنی ان لوگوں کے اپنے مردوں کے دوبارہ اٹھائے جانے سے مایوس ہوجانے کی طرح کیونکہ وہ بعثت وحشر ونشر کے منکر تھے۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے جیسے کہ کافر شخص مرتے وقت اپنے ثواب اور اجر سے واقف ہوتا ہے پھر مایوس ہوجاتا ہے۔ اور ابن مسعودؓ کا یہی قول ہے کہ جیسے کفار آخرت کے ثواب سے مایوس ہو چکے ہیں۔